کیا مسلمانوں کو اپنی موجودہ حالت کا کچھ علم ہے

(از)

(جناب مولانا محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب صدر حیدرآباد اکاڈمی)

گذشتہ ساڑھے تیرہ سو سال تک حضرت محمد مصطفیٰ صلعم اور خلفائے راشدین کے فیوض و برکات سے مسلمانوں کو جو فائدے پہنچے ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم تھے کہ باوجود شدید اندرونی اختلافات اور مسلسل بیرونی مخالفتوں کے دولِ اسلام کو نہ صرف ان سے کوئی ناقابلِ تلافی ضرر نہیں پہنچا بلکہ عرصۂ دراز تک وہ سیاسی و ثقافتی میدانوں میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ مسلم علم و ہنر چودھویں صدی عیسوی کے پہلے نصف دور میں معراجِ کمال کو پہنچ گیا جب کہ دوسری قوم یا ملت کے لوگ ان کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی کے ختم تک بھی مسلمان اپنے بلند مقام پر قائم رہے۔ اس کے بعد ممالکِ مغرب کے اقوام جو قبل ازیں مسلمان حکماء کے ہر شعبہ میں خوشہ چین تھے آہستہ آہستہ ان کے ہم پلہ ہونے لگے۔ پندرھویں صدی کے ختم تک میدانِ علم و ہنر میں مسلمانوں پر سبقت لے گئے اور مسلمان بالکلیہ پستی کی حالت میں گر گئے اگرچہ کبھی کبھی کچھ دنوں ترقی کی راہ پر واپس آنے کی کوشش کرتے رہے۔

چودھویں صدی عیسوی تک باوجود بعض بڑی شکستوں کے مسلمانوں کی سیاسی قوت ممالکِ مشرق میں عملاً برقرار رہی۔ البتہ ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں میں دولت بغداد کا قلع قمع کر دیا اور اسپین کے عیسائیوں نے غرناطہ کی باقی ماندہ علم پرور ریاست کو بھی ۱۴۹۲ء میں نیست و نابود کر دیا۔ اس طرح عرب ثقافت دنیا سے بالکلیہ اٹھ گئی۔ مگر ۱۴۵۳ء میں عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے مسلم مگر غیر عرب سیاسی اقتدار کو پھر سے فروغ دیا اور مشرقی یورپ کے بیشتر عیسائی علاقے ان کے مطیع و فرماں بردار بن گئے۔ یہ کامیابی صرف میدانِ جنگ تک محدود رہی۔ علمی دنیا میں ترک اپنے پیشرو عربوں کا کھویا ہوا وقار حاصل نہ کر سکے۔

سلطان سلیمان اعظم کے عہدِ حکومت میں ترکی عمل داری اور سیاسی اقتدار اعلیٰ معراجِ کمال کو پہنچ گیا۔ بحر و بر پر ترکوں کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ اس کے بعد وہ میدانِ سیاست میں بھی مسلسل زوال ہی کے راستہ پر اتر آئے۔

زمانۂ حال میں ترکی اور مصر ہی ایسے مسلم دول تصور کئے جا سکتے ہیں جو بیرونی اقوام کے مقابلہ میں سنبھلنے کی سکت رکھتے ہیں۔ ان کی مالی و اقتصادی حالت بھی کسی قدر مضبوط سمجھی جا سکتی ہے۔ مصر کی جامعات علمی و اعلیٰ تحقیقاتی کاموں میں یورپ و امریکہ کی جامعات سے کچھ بہت کمتر نہیں ہیں۔ وہاں ان دنوں چند قابل عالم و فاضل نہ صرف ادب و تاریخ میں بلکہ جدید سائنس و ریاضی میں بھی نمایاں کام کرتے نظر آ رہے ہیں۔ ترکی بدقسمتی سے عیسائی یورپ کے دستِ تظلم اور آفتہائے آسمانی (مثل زلزلوں وغیرہ) کی وجہ سے ہنوز اچھی طرح سنبھل نہیں سکا۔ پاکستان کو جو اسلامی ریاستوں کا سب سے جدید اور نوخیز خطہ ہے۔ ہندوستان کی مغل بادشاہت کا کامیاب جانشین بننے کے لئے ابھی بڑی کٹھن منزلوں سے گزرنا ہے تاکہ کامل اقتدار حاصل کر لے۔ دوسری مسلم ریاستیں سخت مصائب میں گرفتار ہیں اور عیسائی اور دیگر غیر مسلم اقوام کے دستِ تظلم سے جاں بلب ہو رہی ہیں۔ کئی ایک تو بالکلیہ کالعدم ہو گئیں۔ باقی ماندہ اپنے اندرونی نزاع و مناقشوں سے ختم ہونے کو ہیں یا طاقت ور حریص اقوام کی قیادت میں پڑ کر ختم ہو رہی ہیں۔

دورِ حاضر کے مسلم اقوام کی خصوصیات میں خواہ کچھ بھی اختلافات ہوں مندرجہ ذیل خصوصیات ان سبھوں میں عام اور مشترک پائی جاتی ہیں۔ اپنی حقیقی حالت سے لاعلمی، مذہب سے بے اعتنائی، تعلیم کا فقدان، ذی اثر طبقات کا اتحادِ عمل سے انحراف، مالی حالت کی انتہائی پستی، صنعت و حرفت سے بالکلیہ ناواقفیت، تاوقتیکہ یہ تمام عیوب مسلمانوں سے دور نہ ہوں ان کا دنیا میں امن کے ساتھ باعزت زندگی بسر کرنا ناممکن ہو چلا ہے۔ ان تمام برائیوں کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے دیدہ و دانستہ نافرمانی ہے جو قرآن پاک میں بہ وضاحت بیان ہوئے ہیں اور جن کی احادیثِ نبوی سے توضیح ہوئی ہے۔ سب سے پہلی بڑی بلا جو مسلمانوں پر نازل ہوئی خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کا قتل ہے

جو دشمنانِ دین کی ایک گہری سازش کا نتیجہ تھی۔ اس کے بعد حضرات عثمانؓ و علیؑ کا وحشیانہ قتل پھر آنحضرتؐ کے بے گناہ نواسوں حضرات حسنؓ حسینؓ کا بے رحمانہ قتل ہے۔ ان بہیمانہ مظالم کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے۔

جس وقت مسلمان عربوں نے فلسطین شام اور مصر کو فتح کیا ان ممالک کے عیسائی باشندوں نے ان کے ساتھ وفاشعارانہ برتاؤ کیا۔ کامل اطاعت کے بعد ان سے بغاوت نہیں کی لیکن افسوس کہ مفتوح ایران باوجود دینِ اسلام قبول کرنے کے عربوں کے ساتھ برسرِ عناد ہی رہا۔ خلافت کا مسئلہ ابتدا سیاسی شکل میں پیدا ہوا آگے چل کر مذہبی صورت اختیار کرلی جس کی وجہ سے مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا اب بھی یہ اختلاف باقی ہے۔ سنی شیعہ کا جھگڑا حقیقی خلافت کے ختم ہوجانے اور ترکی سلطانوں کی نام نہاد خلافت کے مٹ جانے پر بھی رفع نہ ہوسکا۔

اگر اس المناک اختلاف کے اسباب وحالات پر خلوص وصداقت کو پیش نظر رکھ کر اسلامی وحدت واتفاق کی خاطر حسنِ اخلاق ومصالحت کے طریقہ سے عمل کیا جائے تو کیا عجب کہ مسلمانوں کی اس عالم گیرستی کے دور میں فرقہ واریت کا یہ تشدد بتدریج رفع ہوجائے اہلِ سنت والجماعت کے عقائد میں اتنے اختلافات نہیں ہیں جتنے اہل التشیع کے فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اگر خلوص سے کام لیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ یہ سب اختلافات حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں۔ خوجوں کے سرگروہ ہز ہائینس آغا خاں نے بھی اخبارات میں کبھی اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔

عیسائی مذہب کے رومن کیتھولک فرقوں میں اعتقادی اختلافات زمانہ دراز سے بکثرت چلے آرہے ہیں۔ مختلف دوروں میں متعدد پاپایانِ روم نے ان کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ بجائے اختلافات دور ہونے کے مجالس شوریٰ کے انعقاد کے بعد ایک نیا عقیدہ ہی رونما ہوا۔ اسلامی مجالس کے لیڈروں کو چاہئے کہ اپنے مشوروں میں یہ خرابی پیدا نہ ہونے دیں۔

غور سے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر مذاہب کے مستشرقین کی نظر اسلام کی سب سے اہم تعلیم (خدا کی وحدت اور بنی نوع انسان کی اخوت) سے اکثر او جھل ہی رہی ہے

ہمیں چاہئے کہ دنیا کو بتائیں کہ اسلام نے دین کے ساتھ دنیا میں معقولیت کی زندگی بسر کرنے کے کیسے اچھے اور آسان طریقے بتائے۔ تمام بنی نوعِ انسان کی مادی ترقی، حسنِ نیت اور جود و سخا کے اعمال کے ذریعہ دوستوں کے ساتھ دوستی اور دشمنوں کے ساتھ انصاف بلکہ رعایت کے بھی کیسے مفید سبق سکھائے۔

ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ دورِ حاضر کے نام نہاد اعلیٰ تہذیب کے علم بردار اقوام جو اپنے آپ کو عدل و انصاف کے حامی اور جمہوری اصول کے ناشر بتلاتے ہیں اب تک دنیا کے سامنے کوئی طریقہ زندگی پیش نہ کر سکے جس میں امنِ عامہ اور ساتھ ہی انفرادی آزادی کا ایسا تیقُن ہو سکے جیسا آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے عہد میں ہوا تھا۔ اگر آمریت کی مذمت کی جاتی ہے تو کیا اقلیتوں پر اکثریت کے مظالم نہیں دیکھے جا رہے ہیں۔ اپنے آپ کو اعلیٰ قسم کا انسان تصور کرنے دوسروں کو ذلیل بنا کر اقتصادی ذرائع سے بلکہ بعض اوقات بزورِ شمشیر د جوہری بمب نیست و نابود نہیں کیا جا رہا ہے؟

تاریخ شاہد ہے کہ نہ صرف زمانہ قدیم میں بلکہ نسبتاً جدید ادوار میں بھی طاقتور قوموں نے زیادہ مہلک آلاتِ حرب اور منظم طریقوں سے غریب و بیکس کم ترقی یافتہ انسانوں کو یا تو صفحہ ہستی سے میٹ دیا یا ان کے ملکوں پر قبضہ کر کے ان کو غلاموں سے بدتر بنا رکھا۔ اور با ایں ہمہ ظلم و تشدد عوام کے فلاح و بہبود کے لئے عوام کی حکومت کے قواعد کے اعلان شائع کئے۔ ایسے واقعات اسلام کی تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئے۔ اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کے جھوٹے قصے اب ختم ہوتے آ رہے ہیں غیر مذاہب کے بعض جدید روشن خیال صداقت پسند مؤرخ اب معترف ہیں کہ اسلام اس کی سچائی، انصاف اور انسانی ہمدردی ہی کی وجہ سے دنیا کے قدیم و جدید باشندوں میں پھیلا اور پھیلتا جا رہا ہے اگرچہ مسلمانوں کا موجودہ افلاس ان کو تبلیغِ مذہب کے کاموں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنے سے روک رہا ہے۔ ان امور کی آرنولڈ کی "دعوت اسلام" میں بخوبی توضیح کی گئی ہے۔ وہ مانتا ہے کہ اسلام نے سابق مسلمانوں کی پاک زندگی سچائی اور رواداری ہی کی وجہ سے سمجھدار غیر مسلم لوگوں کے

دلوں پر اثر کیا اور وہ خود بطیبِ خاطر برکات اسلام سے استفادہ کرنے کی خاطر مسلمان ہوئے۔

زمانۂ قریب میں اسلام کی اشاعت ہندوستان اور دیگر مشرق بعید کے ممالک میں بعض اولیائے کرام اور صوفی منش پارساؤں کے اثر سے ہوئی۔ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں اسلام یورپ و امریکہ کے تعلیم یافتہ صداقت پسند خوش حال لوگوں (مردوں اور عورتوں دونوں) میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔ اس کارِ خیر کو ترقی دینے کے لئے ضرورت ہے کہ مختلف ممالک میں اعلیٰ تعلیم یافتہ، پُرخلوص متدین، ریاضت کیش مبلغوں کے مراکز قائم کئے جائیں اور کم استطاعت ہونہار نومسلموں کی مذہبی تعلیم کے ساتھ معاشی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے جیسا کہ اکثر عیسائی ادارے کرتے آرہے ہیں۔ حالیہ تہذیب کی کوششیں صرف مادی ترقی تک محدود ہیں، زندگی کے روحانی پہلو کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے باوجود اس عقیدے کے کہ "زندگی کا اصل مقصد حصولِ راحت و آسائش ہے" حقیقی امن و راحت سے دور ہٹے جا رہے ہیں۔ اگرچہ قوائے فطرت پر آئے دن روز افزوں دسترس حاصل کیا جا رہا ہے اور علم و حکمت کو ترقی ہو رہی ہے۔

دورِ حاضر کے متعدد غیر مسلم عالموں نے بھی اسلام کی حقیقی خوبیوں اور اس کے دور رس فوائد کی سچے دل سے داد دی ہے اگرچہ چند ایک نے ان میں سے ہمارے پیغمبر خدا حضرت محمد صلعم سے اپنی ناقص معلومات یا اندھے سیاسی تعصب کی وجہ سے بعض اوقات گستاخی اور بے ادبی بھی کی ہے۔

دشمنانِ اسلام کے اس افترا ہی کی وجہ سے کہ مسلمانوں نے اسلام بزور شمشیر پھیلایا قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کو بارہا کفّار سے سخت نقصانات اٹھانے پڑے۔ لاکھوں بے گناہ مسلم زن و مرد اور بچے بچیاں وحشی تاتاریوں اور سنگ دل صلیبی جنگجویوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ لیکن ان بلاؤں کے باوجود مسلمان اپنے ایمان کی استقامت اور مستقل مزاجی کی بدولت پھر سے اپنا کھویا ہوا ملک اور اعلیٰ اقتدار حاصل کرتے رہے۔ عربوں کے بعد جواں ہمت نومسلم اقوام مثل کرد ترک و ترکمان نے مسلمانوں کی سابقہ عظمت کو برقرار رکھا۔ صلیبی خونخوار فلسطین کو مسلمانوں سے چھین لینا چاہتے تھے۔ دو سو برس کی مسلسل کوششوں کے بعد بھی وہ بالکلیہ ناکامیاب رہے،

زمانہ حال میں یہودی لوگ صلیبیوں کی طرح مسلمانوں سے برسرِ پرخاش ہیں۔ گو فوجی نقطۂ نظر سے ان کی کوئی وقعت نہیں ہے لیکن ان کی صدیوں کی دولت اور دُوَلِ اعظم کا ان کے ساتھ کھلا یا پوشیدہ ہمدردانہ سلوک ان کو مسلمانوں کے خلاف کامیاب کرا رہا ہے،

بدقسمتی سے اب مسلمانوں میں پہلے کی طرح کوئی بہادر اور اولوالعزم نوجوان قومیں نہیں ہیں۔ عثمانی ترک دُوَلِ یورپ کی متفقہ و مسلسل مخالفت سے اس قابل نہ رہے کہ کسی دوسری مسلم قوم کی مدد کر سکیں، علاوہ ازیں موجودہ دور میں ان کی ذہنیت خود ایسی بدل گئی ہے کہ انہوں نے مذہب کو پس پردہ ڈال رکھا ہے اور اگر اخباری اطلاعیں صحیح ہیں تو ان کے "روشن خیال" افراد دین اسلام کے مارٹن لوتھر Martin Luther جیسے ریفارمر (Reformer) کا انتظار کر رہے ہیں۔ چین اور انڈونیشیا کے مسلمانوں کو سنبھلنے کے لئے ہنوز بڑی کٹھن منزلیں طے کرنی ہیں؛ پاکستان اگر اپنے آپ کو اپنی اندرونی غداریوں سے بچالے تو یہ خود ایک بڑی کامیابی ہوگی۔ روس کے بدنصیب مسلمان بولشیوک (Bolshevism) بے دینی کے پنجوں میں ایسے گرفتار ہیں کہ اسلامی طریقۂ زندگی ان کے لئے تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی وہ کیا خاک مدد کر سکیں گے۔

زمانۂ حال کی سائنٹیفک تحقیقات کو کامیاب طریقہ پر جاری رکھنے کے لئے بڑی کثیر رقموں کی ضرورت ہے اس لئے سائنس والوں کو سرمایہ داروں کا دست نگر رہنا پڑتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ جس طرح طب کے طالب علموں کو اپنا فن سیکھنے سے پہلے بقراط کی قسم کھانی پڑتی ہے کہ "کبھی علم کا ناجائز استعمال نہیں کریں گے"، اعلیٰ سائنس سیکھنے والوں کو بھی اس کے مماثل قسم کھانے پر مجبور کیا جاتا تاکہ جدید آلاتِ سائنس سے بے گناہ امن پسند انسان لاکھوں کی تعداد میں ایک وقت موت کے گھاٹ نہ اتار دیئے جائیں۔

لیکن تاوقتیکہ انسانوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی نہ سمجھیں سائنس کا بُرے کاموں میں استعمال نہ کیا جانا ناممکن ہی نظر آتا ہے۔

اشتراکیت دولت جھپٹنے کی فکر میں لگی ہے، سرمایہ داری دولت کے گھمنڈ میں مست و مخمور ہے دونوں ایک دوسرے سے جنگ کر کے امنِ عالم کو ختم کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں؛ اس کشمکش

میں کیا عجب کہ ایک تیسری عالمگیر جنگ چھڑ جائے جس میں بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مہلک ترین آلاتِ حرب یعنی جوہری بم (جس کے انبار امریکہ و روس کے پاس جمع ہیں) دل کھول کر استعمال کئے جائیں گے جس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ بنی نوعِ انسان ہمیشہ کے لئے دنیا سے اٹھ جائے۔ کہا جاتا ہے کہ سیاسیوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو انسان کی تیز رفتار تولید اور غذائی پیداوار کی قلت سے ڈر کر ایسی بلاؤں کو بُرا نہیں سمجھتا کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کیا جدید سائنس سے دنیا کی غذائی صورتِ حال کو درست نہیں کیا جا سکتا؟ ان تمام بیماریوں کا واحد علاج خوفِ خدا اور انسانی ہمدردی ہے، اسلام حق تعالیٰ کا برگزیدہ دین ہے رحم و کرم کا حامی اور مانعِ شر و فساد۔ پس تمام دنیا کے مسلمانوں کو چاہئے کہ حقیقی مسلمان بن جائیں۔ اور آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے مبارک عہد کے مسلمانوں کی طرح زندگی اختیار کریں تمام اندرونی جھگڑوں سے پاک ہو جائیں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ صنعت و حرفت کے مالک بن کر اپنے اسلاف کی طرح آگے قدم بڑھائیں ہماری آنکھوں کے سامنے صدیوں کے پست افتادہ و مصیبت زدہ اقوام اپنے عزم و استقلال سے حیرت انگیز ترقی کر رہی ہیں پس کیا وجہ کہ مسلمان ایسا نہ کریں؟

اسلام نہ اشتراکیت کا طرفدار ہے نہ سرمایہ داری کا۔ زکوٰۃ کی رقم اگر پابندی سے بیت المال میں جمع کی جائے اور مستحق کم استطاعت لوگوں کے فلاح و بہبود کے لئے (جیسا کہ احکامِ شرع کے مطابق چاہیئے) خرچ کی جائے تو مسلمانوں کو پیسوں کی قلت کبھی محسوس نہ ہوگی۔ چودھویں صدی عیسوی تک بھی بے شمار مسلمان ادارے زکوٰۃ کی مجتمعہ رقوم سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ مثال کے طور پر تحفۃ النظار کے چند واقعات کی یاد تازہ کرائی جاتی ہے ابن بطوطہ شمالِ مغربی افریقہ سے جیب خالی نکل کر مشرق میں قنجنفو (چین کا اس وقت کا مرکزی شہر) پہنچا اور وہاں اسلامی اداروں میں ذی عزت مہمان کی حیثیت سے ٹھیرا۔ وہاں کے ایک مرفہ الحال نوجوان تاجر قوام الدین السبتی سے ملاقات کی اس نے ابن بطوطہ کو اپنے بھائی ابو محمد السبتی سے سجلماسہ (جنوب کوہ اطلس مغربی افریقہ) میں ملنے کے لئے کہا۔ یہ بلند ہمت سیاح چین سے واپس ہوتے ہوئے سجلماسہ پہنچا اور ابو محمد السبتی کو اس کے بھائی کا پیغام پہنچایا۔ اس کو ایک روشن

خیال عالم پایا۔ یہ سب انتظامات مسلم ادارے زکوٰۃ ہی کے پیسوں سے کر سکتے تھے۔ کیا اس زمانہ میں دخانی اور ہوائی جہاز ریل اور ریڈیو کے دور میں مسلمان اپنے دور افتادہ بھائیوں کے ساتھ ربط و اتحاد قائم نہیں کر سکتے؟

جو مردہ قومیں از سرِ نو زندہ ہو رہی ہیں پہلے اپنی حالت سے بخوبی واقف ہو کر اپنے تعلیمی و معاشی نقائص عزم و استقلال سے دور کر رہی ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں مثال یہودیوں کی ہے۔ ہمارے پارسی اور ہندو بھائی بھی ایسی ہی کوششوں سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ باہمی ہمدردی اعلیٰ تربیت اور سچا اتحادِ عمل ہی انھیں کامیاب بنا رہا ہے۔ روئے زمین کے مسلمانوں کو چاہئے متحد ہو کر تکسیبِ کمال کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے روابط قائم کریں۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں مہارت حاصل کریں۔ انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں سے واقف ہو جائیں، حج کے موقعوں سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ اسلامی دنیا کے معاشی مسائل پر غور کریں۔ علمی و اقتصادی کانفرنسوں میں شریک ہو کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کریں ماہرانِ سائنس اور سرمایہ داروں کے اشتراکِ عمل سے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ تمام دنیا کے باشندوں کو امن و محبت کی زندگی بسر کرنا سکھائیں۔

العلم والعلماء

یہ بہت بڑے امام حدیث علامہ ابن عبد البر کی شہرہ آفاق کتاب "جامع بیان العلم و فضلہ" کا نہایت نفیس ترجمہ ہے کتاب کے مترجم مشہور ادیب اور بے مثال مترجم عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی ہیں، یہ ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد کے ارشاد کی تعمیل میں کیا گیا تھا جو اب ندوۃ المصنفین سے شائع کیا گیا ہے۔

علم و فضیلتِ علم و علماء پر اس درجے کی کوئی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ صفحات ۴۰۰ بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت، طباعت بہت عمدہ۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے مجلد پانچ روپے آٹھ آنے

منیجر:- ندوۃ المصنفین۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی ۶